© rasailojaraid.com

جناب ابو سلمان شاہجہانپوری

سر سیّد احمد خاں بحیثیت ولی اللّٰہی

سر سیّد احمد خان نے آثار الصنادید کے باب چہارم میں دہلی کی اہم شخصیات کا تذکرہ لکھا ہے، اس میں تیس سے زیادہ شخصیات وہ ہیں جن کا تعلق ولی اللّٰہی مکتبۂ فکر سے تھا۔ اس سلسلے کی بعض شخصیات کا تذکرہ دوسری جگہ آیا ہے۔ ابو سلمان شاہجہان پوری نے ان تمام شخصیات کو "تذکرہ خانوادہ ولی اللّٰہی" کی شکل میں یکجا کر دیا ہے۔ اور سوانحی اور علمی و عملی خدمات کے وہ پہلو جو سر سیّد کا موضوع نہیں تھے یا بمقتضائے زمانہ یا انھیں بعد کے اپنے سیاسی مسلک کے خلاف ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، ابو سلمان شاہجہان پوری نے اپنی حواشی میں مکمل کر دیا ہے۔ اب یہ تذکرہ متن اور حواشی کے ساتھ شخصیات کے علم و فضل اور انکی علمی و عملی زندگی کے تمام پہلوؤں کا جامع ہو گیا ہے۔

اس تذکرے پر ابو سلمان صاحب شاہجہان پوری نے جو مقدمہ لکھا ہے، زیر نظر شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے، آئندہ شمارہ سے تذکرہ کا متن اور حواشی بالاقساط شائع کیے جائیں گے۔

سر سید کے فکر و نظر کا یہ پہلو اہل علم کی نظروں سے پوشیدہ تو کبھی نہ تھا لیکن شاہجہان پوری صاحب نے اسے جس سلیقے سے نمایاں کیا یہ بالکل نئی چیز ہے۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغلیہ عہد حکومت کے دورِ آخر میں برصغیر پاک و ہند کے علمی و سیاسی مرکز دہلی میں بیک وقت دو ایسے بیوتِ علم و فضل جمع ہوگئے تھے جن کی نظیر برصغیر کی علمی و دینی تاریخ میں دُور دُور نظر نہیں آتی - ان میں سے ایک حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا خانوادۂ علمی تھا جو تعلیم کتاب و حکمت میں مصروف تھا - حضرت حکیم الہندؒ کے بعد آپ کے صاحبزادگان عالی تبار حضرت شاہ عبدالعزیز محدث، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہم اور اس خاندان کے دیگر اخلاف صالح مسند نشین درس و تدریس ہوئے - دُوسرا خاندان حضرت شیخ الشیوخ مرزا مظہر جانِ جاناں کی خانقاہِ بیعت و ارشاد تھی، آپ کے بعد آپ کے خلیفۂ راشد حضرت شاہ غلام علی مجازِ بیعت و ارشاد تھے، دہلی اور اقصائے پاک و ہند میں علم و عرفان کے جتنے سلسلے تھے، ان کا منبع فیض یہی دو قدسی صفات تھے، سرسید کی ذات علم و عرفان کی کوثر و تسنیم کا مجمع البحرین تھی، سرسید کے مزرعۂ فکر کو ان دونوں سے سیراب ہونے اور فیض اٹھانے کا موقع ملا تھا، ان کا منشائے طفولیت حضرت شاہ غلام علی کی خانقاہ تھا تو معہدِ علمی شاہ عبدالعزیزؒ کے اخلاف و تلامذۂ راشدین کے حلقہ ہائے درس تھے - یہ سرسید کا ایسا امتیاز ہے جس کی مثال ان کے اقران و امثال میں مشکل ہی سے ملے گی -

جب سرسید پیدا ہوئے تو ان کے والد نے شاہ غلام علی سے نام رکھنے کی درخواست کی، شاہ صاحب ہی نے بڑے بھائی کا نام محمد رکھا تھا اور ان کا نام احمد رکھا - سرسید کے دادا ان کے والد کی شادی ہونے سے پہلے ہی قضا کرچکے تھے اور یہ اور ان کے بہن بھائی شاہ صاحب ہی کو دادا حضرت کہا کرتے تھے، سرسید کہتے تھے کہ "شاہ صاحب کو بھی ہم سب سے ایسی ہی محبت تھی جیسی حقیقی دادا کو اپنے پوتوں سے ہوتی ہے شاہ صاحب نے تاہل اختیار نہیں کیا تھا - اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ گو حق تعالیٰ نے مجھے اولاد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھگڑوں سے آزاد رکھا ہے لیکن متقی کی اولاد کی محبت ایسی دے دی ہے کہ اس کے بچوں کی تکلیف یا بیماری مجھ کو بے چین کر دیتی ہے۔"

سرسید کی رسم بسم اللہ بھی شاہ غلام علی صاحب کے حضور فیض آثار میں ہوئی۔ سرسید اپنا ایک فارسی شعر فخریہ پڑھا کرتے تھے ؎

بہ مکتب رفتم و آموختم اسرار یزدانی ز فیض نقشبند وقت و جان جہان جانانی

سرسید کہتے تھے کہ "میری تمام ننھیال کو شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان سے عقیدت تھی مگر میرے والد کو شاہ غلام علی صاحب سے بیعت اور عقیدت تھی۔ شاہ صاحب کے یہاں منت اور نذر و نیاز کا کہیں پتہ نہ تھا ...... میری ننھیال والے اگرچہ عام توہمات میں مبتلا نہ تھے مگر شاہ عبدالعزیز کے ہاں جو کچھ ہوتا تھا اس پر سب اعتقاد رکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ سرسید کی تمام تر تعلیم و تربیت مذہبی انداز سے ہوئی۔ تعلیم و تربیت کے ابتدائی دور میں ان پر جو رنگ چڑھا تھا وہ کبھی نہ اترا اور ان کی پوری زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔ بقولِ حالی یہی ان کی تمام ترقیات کا منبع تھا اور یہی ان کی ہر منزل کا رہبر۔ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے نزدیک جہاں تک ان کی لائف شہادت دیتی ہے اور جس قدر کہ ان کے حالات، افعال اور اقوال سے ظاہر ہوتا ہے ان کی تمام ترقیات کا منبع، ان کے کل مقاصد عالیہ کا محرک اور ان کی ہر منزل کا رہبر مذہب کے سوا اور کوئی چیز قرار نہیں پا سکتی۔ اسلام کی حقیقت کا یقین اور بانیٔ اسلام کی محبت اور عقیدت گویا سرسید کی گھٹی میں پڑی تھی۔ دارالخلافہ کا اخیر دور تھا اور مسلمانوں کی آخرت کی امیدوں کے سوا جن کا اسلام وعدہ کرتا تھا۔ کوئی امید باقی نہ رہی تھی، اس لیے وہ مذہب کو زیادہ مضبوط پکڑتے جاتے تھے۔ خصوصاً شریف اور ممتاز خاندانوں میں مذہبی فرائض کی پابندی اور مذہبی باتوں کا چرچا بہت زیادہ تھا۔ شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ جو اس زمانے میں دیندار مسلمانوں کا ملجا اور ماوی تھی۔ اس کے ساتھ سرسید کو ایک خاص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلق تھا ان کے والدین خانقاہ اور خانقاہ کے مشائخ سے کمال عقیدت و ارادت
رکھتے تھے اور اس لیے سرسید بچپن ہی سے اپنے والد کے ساتھ خانقاہ میں
جانے لگے تھے اور مدت دراز تک انھوں نے وہاں کا رنگ صحبت اپنی آنکھوں
سے دیکھا تھا ۔ ان کی والدہ کے سوا ان کی ننھیال والے جہاں اُنھوں نے نشو و نما
پائی، شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان کے معتقد تھے ۔ بس سرسید نے آنکھ
کھول کر اپنے سارے گھر میں مذہب کا دور دورہ دیکھا تھا ۔ گویا مذہب ہی کی
آغوش میں انھوں نے پرورش پائی تھی اور مذہب ہی کی گود میں ہوش سنبھالا
تھا ۔ علومِ جدیدہ جس عمر میں مذہب سے دل اُچاٹ کر سکتے ہیں، اس عُمر
میں سرسید پر ان کی پرچھائیں تک نہیں پڑی تھیں بلکہ زیادہ تر ان کی لے
اس وقت کھلنی شروع ہوئی جب مذہب کی جڑ پتال تک پہنچ چکی تھی اور
جب کہ سائنس کو بجائے اس کے کہ مذہب کے ساتھ جنگ کرے اس
سے صلح کرنی ضرور تھی "۔

چونکہ سرسید کا تمام خاندان دو ایسے خاندانوں سے عقیدت رکھتا تھا جو نہ صرف
دِلّی بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں جامع شریعت و طریقت سمجھے جاتے تھے۔
اس لیے ان کا گھر بہت سی ایسی جاہلانہ رسموں اور بیہودہ اوہام اور لغو عقائد سے
پاک تھا جن میں اکثر جاہل مسلمانوں کے خاندان گرفتار تھے ۔ چنانچہ سرسید کہتے تھے کہ

"اس زمانے میں بھی جب کہ میرے مذہبی خیالات محققانہ اصول پر مبنی ہیں،
میں اپنی والدہ کے عقائد میں ایک آدھ بات کے سوا کوئی عقیدہ اپنے
اُصول کے خلاف نہیں پاتا "۔

یہی اُصول ابتدا سے سرسید کے دل میں ڈالے گئے تھے اور اسلام کی یہی صورت
انھوں نے آنکھ کھول کر دیکھی تھی، گویا ہوش سنبھالتے ہی انھوں نے اپنا قدم تحقیق
کی پہلی سیڑھی پر پایا تھا ۔ پھر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیفات نے ان کے خیالات
کی اور زیادہ اصلاح کی اور ان کو کسی قدر تقلید کی بندشوں سے آزاد کیا مگر جب تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدیم سوسائٹی کا رنگ ان پر غالب رہا، مذہبی خیالات میں کوئی بڑا انقلاب واقع نہیں ہوا۔

لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا مدرسہ اور شاہ غلام علی کی خانقاہ دو مختلف الخیال و متضاد الفکر یا متحارب و متخالف گروہ تھے۔ درحقیقت دونوں خاندان ایک ہی بادۂ علم و عرفان سے سرشار تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے احیائے اسلام اور ردّ بدعات و محدثات شاہی اور اصلاح و تربیت عامہ مسلمین کی جو دعوتِ حقہ شروع کی تھی اور اس سے تجدید و احیائے دین اور ترویج و اشاعت سنت کا جو دور ہمایوں شروع ہوا تھا اس کے اثرات و فیضان کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ وہ ایک فیضان عام تھا جس سے اربابِ فضل و کمال اور مسند نشینان مدرسہ و خانقاہ نے اپنے اپنے ظرف اور اپنی اپنی استعداد اخذ و انجذاب کے مطابق فیض اٹھایا، وہ شمیم جانفزا کا ایک جھونکا تھا جو آیا تو کیا بادشاہ کا محل اور کیا غریب کا جھونپڑا اور کیا مدرسہ و خانقاہ سب کے در و دیوار کو معطر کر گیا۔ خانوادۂ ولی اللہی کا فیضان درس و تدریس اور خانقاہ جان جانانی کی تعلیم و تربیت سلوک و طریقت درحقیقت اسی ایک قلزمِ حقیقت و معرفت کی کوثر و تسنیم تھیں جو برابر برابر بڑھتی تھیں اور طالبان علم و عرفان اپنے نخل امید و شوق کو ان سے سیراب کر رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہؒ سے اور شاہ صاحبؒ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ سے اور انھوں نے شیخ آدم بنوری کے ذریعہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے علوم و معارف مجددیہ کی وراثت پائی تھی۔

اور حضرت شاہ غلام علی اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں خلیفۂ شیخ نور محمد بدایونی خلیفۂ شیخ سیف الدین خلیفہ شیخ محمد معصوم کے ذریعے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے سرچشمۂ طریقت سے فیض یاب ہوئے تھے۔

اختلاف درحقیقت خدمتِ حق کی صورتوں میں تھا جو ہر دو خانوادوں نے اپنے مزاج و طبائع کے مطابق اختیار کر لیا تھا۔ اگر ان میں کوئی اختلاف تھا تو اس سے زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ تھا جو ایک مسلک کے دو سالکانِ راہ میں ناگزیر ہے - یہ اختلاف ایک خاص درجے میں ہمیشہ اور سلسلے کے تمام مرشدین و مسترشدین میں رہا ہے، لیکن شاہ غلام علی کی مسند نشینی نے یہ اختلاف بھی ختم کر دیا اس لیے کہ انھوں نے سلوک و طریقت میں خرقۂ خلافت حضرت شیخ الشیوخ مرزا مظہر جانِ جاناں سے حاصل کیا تھا تو درس کتاب و حکمت کے لیے زانوئے شاگردی سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز کے سامنے تہ کیا تھا اور اس طرح علوم و معارفِ شریعت میں وہ خانوادۂ ولی اللہی کے فیض یافتہ تھے۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء شاہ ابوسعید، شاہ احمد سعید بن ابوسعید اور شاہ عبدالغنی بن ابوسعید بھی شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد اسحاق کے شاگرد تھے۔ گویا خانقاہ میں بھی معارف ولی اللہی کا چشمہ فیض جاری تھا۔

مرزا مظہر جانِ جاناں اور شاہ ولی اللہ دونوں ہم عصر تھے۔ اور مولانا عبیداللہ سندھی کے بیان کے مطابق "دونوں آپس میں دو بھائیوں کی طرح تھے جو ایک دوسرے سے راضی ہوں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔ سرزمین دہلی اب تک ان دو بزرگوں پر نازاں ہے"۔

ان کے بعد خانقاہ کے سجادہ نشینوں اور مدرسہ کے مسند نشینوں کے تعلقات پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔ خانقاہ والوں کے لیے مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ کا مدرسہ تھا جہاں ان کے متعلقین و منتسبین قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اور مدرسہ والوں کے لیے خانقاہ روحانی تربیت گاہ تھی جہاں وہ اپنے وابستگان دامن کو تعلیم و تربیتِ سلوک کی غرض سے بھیجتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی کی بیعت کے سلسلے میں مذکور ہے کہ سید احمد بریلوی سے بیعت ہونے سے پہلے شاہ عبدالعزیز نے انھیں حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں بھیجا تھا۔

اس لیے سرسید ننھیال اور ددھیال دونوں طرف سے ولی اللہی تھے۔ پھر جب انھوں نے گھر سے باہر قدم نکالا تو ایک دو کے سوا ان کے تمام اساتذہ اور احباب سلسلۂ ولی اللہی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اساتذہ میں مولوی نوازش علی، مولوی مخصوص اللہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکیم غلام حیدر خاں، مولوی فیض الحسن اور مولوی حمید الدین کے نام ملتے ہیں۔ ان میں سے دو آخر الذکر کے حالات دستیاب نہیں ہیں، لیکن سرسید نے ان سے جس قدر تعلیم پائی اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ناظرہ خوانی اور معمولی نوشت و خواند سے واقفیت کے سوا اپنی کوئی علمی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اول الذکر تین اصحاب میں سے مولوی نوازش علی، مولانا محمد اسحاق اور محمد یعقوب نبیرۂ شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔ مولانا مخصوص حضرت شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے تھے اور اسی خاندان کے شاگردِ رشید تھے۔ حکیم غلام حیدر خان نے اصحابِ ثلاثہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی روایت کے مطابق مولانا مملوک علی بھی سرسید کے استاد تھے جو بواسطۂ مولانا رشید الدین حضرت شاہ رفیع الدین کے شاگرد تھے۔

یہ تو سلسلۂ ولی اللہی کے وہ فضلائے عصر اور کملائے دہر تھے جن سے سرسید نے استفادہ کیا اور شاگرد کی حیثیت سے ان کے حلقۂ درس میں بیٹھے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر اہل علم و فضل جو اس وقت حیات تھے، اور اگرچہ سرسید نے ان سے شاگردانہ استفادہ نہیں کیا لیکن ممدوح و معتقد اور بزرگی و خردی کا تعلق ضرور تھا مثلاً مفتی صدر الدین، مرزا غالب، شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحی، حضرت سید احمد شہید، مولانا رشید الدین، مولوی محبوب علی یا وہ اصحاب کمال جن سے سرسید کا دوستانہ علاقہ تھا مثلاً حکیم مومن خان مومن، مولوی نذیر حسین محدث دہلوی، مولوی محمد سمیع اللہ خان وغیرہ۔

یہ تمام حضرات بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اخلاف صالح و سعید سے تلمذ رکھتے تھے۔ سرسید نے اپنی مشہور تصنیف آثار الصنادید میں حضرت شاہ صاحب موصوف کے خانوادۂ علمی کے ارکان رفیع الشان اور مسترشدین کرام کا مستقلاً تذکرہ کیا تھا۔ اس فہرست پر ایک نظر ڈال لینے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

سرسید نے ان بزرگوں کے جو تراجم لکھے ہیں وہ بہترین تذکرہ کی عمدہ مثال ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے جس عقیدت و احترام کے ساتھ قلم کو جنبش دی اور ان کی سیرت و فضائل کے نقش و نگار سے صفحات تاریخ کو زینت دی ہے اسے محض قلم کی رواداری سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ سرسید سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ان کی زبان یا قلم سے کوئی ایسی بات بھی نکل سکتی ہے جو ان کے دل میں نہ ہو وہ کسی ایسے خیال کے پرچارک کبھی نہیں رہے جس پر انھیں خود کامل درجے کا یقین نہ ہو۔ ان کے لیے کسی ایسی فکر کی دعوت دینا ممکن ہی نہ تھا، جس کی صداقت کی جڑیں ان کے دل میں نہ ہوں اور جس کی شمیم جانفزا نے ان کی مشام روح کو معطر نہ کر دیا ہو۔ سرسید نے حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تین صاحبزادگان عظام کا ترجمہ لکھا ہے اور تینوں کے مراتب عالیہ اور دائرۂ علمیہ کے نازک فرق کو الفاظ میں ملحوظ رکھا ہے۔ اس سے سرسید کی ژرف نگاہی اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے ترجمے میں

"اعلم العلماء، افضل الفضلا، اکمل الکملا، اعرف العرفاء، اشرف الافاضل فخر الاماجد والاماثل، رشک سلف، داغ خلف، افضل المحدثین، اشرف العلماء ربانیین، مولانا و بالفضل اولانا، زبدہ ارباب حقیقت، سرگروہ علماء، مجموعہ فیض ظاہری و باطنی، وغیرہ"

القابات سے نوازا ہے۔ نیز آپ کے اخلاف و تلامذہ کے تراجم میں بھی جہاں کہیں آپ کا اسم سامی آگیا ہے اس کے ساتھ اسی قسم کے تعریفی و توصیفی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ آپ ہی کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

"علمائے ہندوستان کہ خوشہ چیں اسی سرگروہ علماء کے خرمن کمال کے ہیں اور جمیع کملا اس دیار کے چاشنی گرفتہ اسی زبدہ ارباب حقیقت کے مائدہ فضل و افضال کے۔"

مزید لکھتے ہیں:

"علمائے متبحر اور فضلائے مقضی المرام باوجود نظر غائر اور احاطۂ جزئیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل کے جب تک اپنا سمجھا ہوا حضرت کی خدمت میں عرض نہ کر لیتے تھے اس کے اظہار میں لب کو وا نہ کرتے تھے اور اس کے بیان میں زبان کو جنبش نہ دیتے تھے۔"

حضرت شاہ رفیع الدین کے اسم گرامی کے ساتھ مولی الکرام، مخدوم الانام، عالم باعمل، فاضل اجل، اسوۂ افاضل عرب وعجم، زبدہ ارباب ہمم، سند اکابر روزگار فخر کملائے شہر و دیار، محی الشرع والسنتہ، ماحی ہوی و بدعۃ، موسس اساس دین مبین، مستند الیہ ارباب استعداد، زبدۂ کملائے دہر، وغیرہ الفاظ و تراکیب توصیفی استعمال کیے ہیں۔ مزید آپ کے مقام فضل و کمال کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فضلائے نامی دیار کے کہ ارباب کمال سے منشور یکتائی حاصل کر چکے تھے جب آپ کی خدمت میں پہنچے اپنے تئیں طفل ابجد خواں اور مبتدی سمجھ کر ابتدا سے انتہاء تک پھر تحصیل علم پر کمر باندھتے۔ اسی واسطے دیار ہندستان کے جمیع فضلائے نامی انھیں حضرت موہبت کے مستفیضوں میں سے ہیں۔"

اس کے بعد آپ کے درس کی جامعیت اور تدریس کے کمالات کے بیان کے بعد لکھتے ہیں:

"باوجود ان کے ان کمالات کے افاضۂ فیض باطن کا یہ حال تھا کہ جنید بغدادی اور حسن بصری کہ اگر ان کے وقت میں ہوتے تو بے شک و ریب اس میں اپنے تئیں کمترین مستفیدان تصور کرتے۔ الغرض ملک تھے صورت بشر میں۔ کوئی زبدۂ کملائے دہر کے اوصاف میں کہاں تک زبان قلم کو فرمودہ کرے۔ اگر بالفرض ایک حرف اس دفتر سے لکھا جاوے، ایک کتب خانہ تیار ہو سکتا ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے جنت مآب مولانا عبدالقادر قدس سرہ کے تذکرے میں فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت بابرکت، کثیر الاوقات، جناب غفران مآب، کامل واصل، زبدۂ علمائے متاہلین، اسوۂ کملائے ربانیین، محقق مسائل دین، موسس معانی شرع مبین، ہادی شریعت پیر طریقت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب غفر اللہ لہ — آپ کے علم و فضل کا بیان کرنا ایسا ہے کہ کوئی آفتاب کی تعریف فروغ اور فلک کی مدح بلندی کے ساتھ کرے۔ زبان کو کیا طاقت کہ ایک حرف حضرت کی صفات لکھ سکے — اس جزو زمان میں ایسا مکاشف صحیح کم کسی اہل کمال سے اتفاق ہوا۔ جس امر میں کچھ فرمایا ویسا ہی بے کم و کاست ظہور میں آیا۔"

کرامت حضرت بہ حد تواتر پہنچ گئی اگر ان کا بیان کیا جاوے کتاب میں گنجائش نہیں۔"

مردانِ خدا خدا نہ باشد لیکن ز خدا جدا نہ باشد

اسی عقیدت کے ساتھ انھوں نے خاندان ولی اللّٰہی کے دوسرے بزرگوں اور اس کے منتسبین مولانا محمد مخصوص اللہ، مولانا عبدالحی، حضرت سید احمد شہید بریلوی، مولانا شاہ محمد اسحاق، مولانا شاہ محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہم کے تراجم لکھے ہیں، ان کے ایک ایک لفظ سے ان کی ارادتِ قلبی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا مطالعہ افادہ و دلچسپی سے خالی نہیں۔ لیکن یہاں قلت گنجائش کے پیش نظر صرف مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ کے ترجمے سے ایک دو اقتباس کی اجازت چاہوں گا۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید نے اپنے دل کے ٹکڑوں کو کاغذ پر پھیلا دیا ہے۔ بلا شائبہ مبالغہ سرسید کے قلم سے اس کمال عقیدت و ارادت کا اظہار کسی اور کے لیے نہیں ہوا۔ لکھتے ہیں:

"محی السنۃ، قامع البدعۃ مولانا مولوی اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ

علم برکش اے آسمان بلند خرامان شو اے ابر مشکیں پرند

بنال اے دلِ رعد چون کوس شاہ بخند اے لب برق چوں صبح گاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہار لائے ہوا قطرہ ناب را بگیر اے صدف درکن این آب را
برآ اے در از قصر دریائے خویش بتاج سر شاہ کن جائے خویش

یعنی شاہ کشور شریعت گستری، ملک الملک دیار دین پروری، قامع بنیان شرک وطغیان، حاوی موجبات علم و ایقان، موسس اساسی کمال، مہذب اوضاع حال وقال، سالک مسالک ہدایت وارشاد، مجلی آئینۂ صافی اعتقاد، مرکز دائرۂ علوم، منطقہ آسمانِ فہوم، مرتقی مدارج درجاتِ عالی، پیشوائے ادنیٰ واعلیٰ، مرجع مآب فضائل، کامروائی طبائع، فاضل رموزِ فہم سرائر تفسیر قرآنی، دقیقہ یاب معالم تقدیرات ربانی، جامع کمالاتِ صوری ومعنوی، نکتہ سنج کلام الٰہی وحدیث نبویؐ، قدوہ اہالی، پیش گاہ قبول جلال، غوامض معقول ومنقول، بانی مبانی فضل وافضال، معہد قواعد تکمیل واکمال، جاہد حق ویقین، مثبت دلائل یقین، مولائی، مخدومی الانامی مولوی محمد اسمٰعیل قدس سرہٗ۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

"از بسکہ جوہر قابل محتاج تربیت اور نیاز مند تعلیم نہیں ہوتا آپ کے آئینۂ خاطر نے مصقلۂ تائید الٰہی سے ایسی صفا اور جلا حاصل کی تھی کہ اسرار ازل بے حجاب آپ پر منکشف تھے۔

ذکر اس زبدۂ اربابِ کمال کا داعی ہے کہ ہزار ہزار محامد پسندیدہ کو زبان پر لاکر اندر کے آتش شوق کو تسکین دے۔ ؎

گہر نثار کند بر سر زبان چشم
مرا چو نام شریف تو بر زبان آید

لیکن کیا کرے کہ نہ زبان کو طاقت تقریر ہے نہ قلم کو یارائے تحریر، منقولات میں آپ کا نتیجہ وہم مثل یقینیات اور معقولات میں آپ کی انتہا نقل مانند متواترات، فقہ کا یہ حال تھا کہ ہر مسئلہ کو آیات وحدیث کے ساتھ مستند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتے تھے۔"

اس سے آگے فرماتے ہیں :

"مگر اواخر میں بارشاد سید الطائفہ پیر طریقت کے احوال مردم شاہجہان آباد کی طرف ملتفت ہوکر راہ رشد و ہدایت کو وا کیا اور وعظ و نصائح سے اہل غفلت کے کان کھول دیے جو جو مسائل کہ ان پر مواظبت کرنی ضروریاتِ دین سے تھی اور بسبب سستی اور کاہلی علمائے وقت کے عوام روزگار کیا بل خواص کے گوش وہم تک بھی نہ پہنچے تھے۔ آپ کی سعی و جہد سے سب پر کھل گئے اور آوازہ اعلام سنت اور ہدم بنیان شرک و بدعت کا وضیع و شریف کے کان تک پہنچ گیا باوجودیکہ ارباب مشیخت اور صاحبان تشخیص کہ سلسلہ اعتقاد و سر رشتہ ارادت خاص و عام کا ان کے ساتھ مستحکم تھا اور کسی کو ان کی مداہنت کا گمان نہ ہوتا تھا اور اس گمان سے کہ اگر مسائل حقہ گوش مردم روزگار تک پہنچا تو ہمارے حق میں موجب ضعف اعتقاد کا ہو جائے گا، علم منازعت اور لوائے مخالفت بلند کر کے درپے اذیت و اہانت ہوئے لیکن چونکہ مؤید بتائیدِ اللہ تھے اس ہدایت و ارشاد سے باز نہ آئے اور خلق کو یہاں تک توفیق اختیار سنت نبوی اور ترک بدعات و احداث کے ہوئے کہ ایک اور ہی طرح کا نور ہر ایک کی پیشانی احوال سے چمکنے لگا اور ان مفسدان مضل کا بازار بازار کاسد ہو گیا اور لوگوں نے جان لیا کہ یہ بزرگ بطمع اخذ و جرّ کے امور حق کو آج تک چھپاتے رہے اور بچشم خود دیکھا گیا کہ وضیع و شریف کو توفیق نماز کی ایسی ہوئی کہ مسجد جامع میں نماز جمعہ کے واسطے ایسی کثرت ہونے لگی کہ جیسے عیدگاہ میں نماز عید کے واسطے ہوا کرتی ہے اور تائیدِ الٰہی اور ان کی صدقِ نیت اور خلوصِ طویت کی برکت سے الیٰ الآن وہی حال چلا جاتا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے علاوہ مولوی سمیع اللہ خان بانی مدرسہ دارالعلوم علیگڑھ جو سرسید کے شریک کار اور معتمد علیہ تھے ۔ مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند اور مولوی محمد یعقوب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے تذکار سرسید نے نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کیے ہیں ۔ یہ سب بزرگ بالواسطہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے اخوان کے شاگرد تھے ۔ مولانا محمد قاسم علیہ الرحمۃ کی وفات حسرت آیات پر تو سرسید نے ایک نہایت شاندار مقالہ تحریر کیا تھا ۔ مولوی سمیع اللہ اور مولانا محمد قاسم دونوں مفتی صدرالدین آزردہ اور مولوی مملوک علی کے شاگرد تھے اور اس رشتے سے دونوں سرسید کے استاد بھائی ہوتے تھے ۔ اس طرح بیک واسطہ تینوں حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز و اخوان سے شرف تلمذ رکھتے تھے ۔

اس وجہ سے سرسید اپنے اساتذہ کی طرف سے ، اپنے ممدوحین اور احباب کے تعلق سے قطعی طور پر ولی اللہی تھے ۔ اس چیز کو بھی نظرانداز نہیں کر دینا چاہیے کہ ان کے کالج کے اساتذہ میں کئی ولی اللہی تھے ۔ مولانا شبلی نعمانی ولی اللہی تھے اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد اور داماد اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے استاد بھائی مولانا عبداللہ صدر شعبۂ دینیات ایم اے او کالج ولی اللہی تھے ۔ ان بزرگوں پر سرسید کی شفقتیں تھیں ۔ ان کے علم و فضل کے وہ قدر دان تھے ۔ یہ گویا مثل ان کی اولاد کے تھے ۔ پس اگر اخلاف اپنے آباء صالح کے شجر تعلیم و تربیت کا ثمرہ ہوتے ہیں اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو سرسید کے ولی اللہی ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا ۔

گھر کے ماحول ، اساتذہ کی تعلیم ، بزرگوں کی صحبت اور ذاتی مطالعے نے تصنیف و تالیف کے جن موضوعات کی طرف رہنمائی کی اور ان کے سامنے اس وقت جو معیار اور ماخذ تھے ان پر ایک نظر ڈال لینے سے بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سرسید اپنے عقیدہ و فکر کے لحاظ سے خالص ولی اللہی تھے ۔ سید احتشام حسین صاحب لکھتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس میں شک نہیں کہ ان کا ابتدائی علمی و تحقیقی ذوق ہی ان کی بعد کی تصانیف میں کام آیا۔ سید احمد شہید اور سید اسمٰعیل شہید کے مذہبی تصورات سے وابستگی ہی نے ان کے ذوقِ اجتہاد کو پروان چڑھایا"

۱۔ کلمۃ الحق

۱۸۴۹ء میں لکھا گیا۔ اس میں پیری مریدی کے رسمی و روایتی طریقے پر تنقید کی ہے، اور ٹھیک انھیں خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو جاہل اور دنیا دار فقیروں اور صوفیوں کے بارے میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے تھے۔ رسالے کے شروع میں سرسید موضوع کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ کلمۃ الحق پیری اور مریدی کے بیان میں ہماری زبان سے نکلا ہے کیونکہ ہمارے زمانے میں پیری مریدی کا ایک ایسا جھگڑا لگا ہوا ہے جس کے سبب ہزاروں آدمی دھوکے میں پڑے ہیں"

رسالے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کے اشغال کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی القول الجمیل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۲۔ جلاء القلوب بذکر المحبوب صلی اللہ علیہ وسلم

سرسید نے اس رسالے کے تعارف میں جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ ہے :-

"یہ کتاب اس زمانے (رمضان ۱۲۵۹ھ) میں لکھی گئی تھی جب کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی مولود کی مجلس کا دل میں بڑا شوق تھا -- اسی زمانے میں بہت سے رسالے مولود کے دیکھے۔ اس وقت کے خیال کے مطابق بھی ان میں ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو ٹھیک نہ تھیں -- اس لیے دل میں آیا کہ ایک مختصر رسالہ جو بطور بیانِ حالات اور واقعات کے ہو اور جس میں نامعتبر باتیں نہ ہوں لکھا جاوے -- بڑا ماخذ اس رسالے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سرورالمحزون" ہے جس کو شاہ ولی اللہ نے تصنیف کیا تھا، اور کچھ باتیں مدارج النبوۃ سے لی گئی تھیں مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اس میں بھی بہت سی نامعتبر بلکہ لغو باتیں ہیں۔"

۳۔ راہِ سنّت و ردّ بدعت

اس رسالے کی نسبت خود سرسید نے لکھا ہے:-

"یہ رسالہ راہ سنت اس زمانے میں لکھا گیا تھا جب کہ وہابیت کا نہایت زور شور سے دل پر اثر چھایا ہوا تھا۔ اگرچہ اس زمانے کی طرز تقریر و بیان میں کچھ فرق ہو مگر دراصل یہ رسالہ جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب کے ایک رسالے مسمی بہ "احقاق حق الصریح فی احوال الموتیٰ والضریح" سے ماخوذ ہے۔"

اس میں سرسید نے بدعت اور اس کی اقسام اور صحیح راہ سنت پر بحث کی ہے اس کی تصنیف کی تحریک کا باعث حضرت مفتی صدرالدین آزردہ کی محفل میں بدعت کی تعریف سے متعلق ایک بحث ہوتی تھی۔ یہ ۱۸۵۰ء کا زمانہ تھا۔ ۱۸۸۳ء میں تصانیفِ احمدیہ کی ترتیب کے وقت ان صحبتوں کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"یہ باتیں تو ایسی صحبتوں کی یادگار ہیں جن کی یاد سے آنسو بھر آتے ہیں، کجا وہ صحبتیں اور کجا وہ مجلسیں، کہاں وہ آزردہ اور کہاں وہ شیفتہ اور کہاں وہ صہبائی، کہاں وہ علماء اور کہاں وہ صلحاء۔"

۴۔ نمیقہ دربیان مسئلۂ تصوّرِ شیخ

سرسید نے یہ رسالہ ۱۸۵۲ء میں تحریر کیا۔ یہ فارسی زبان میں ہے اور مکتوب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک تصورِ شیخ محبت و معرفت الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ یہ مسئلہ شاہ غلام علی کی خانقاہ طریقت اور شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ فکر کا مشترکہ مسئلہ تھا، اس لیے کہ دونوں خانوادے نقشبندی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ سرسید دونوں سے مستفید تھے۔ سرسید نے اس رسالے میں تصوّرِ شیخ کا محبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و معرفت الٰہی کے ذریعے کی حیثیت سے اثبات کیا ہے۔

۵۔ تحفۂ حسن مؤلفہ ۱۲۶۰ھ

یہ رسالہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی مشہور تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ کے باب دہم اور باب دوازدہم کا ترجمہ ہے۔ باب دہم میں وہ مطاعن ہیں جو شیعہ حضرت صدیق اکبرؓ پر کرتے ہیں، اور باب دوازدہم میں تولی اور تبرا کا بیان ہے۔ سرسید نے یہ ترجمہ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں کیا تھا۔

"تحفۂ حسن" پر مولانا الطاف حسین حالی مرحوم حاشیے میں فرماتے ہیں:

"اس ترجمے کے سوا کبھی سرسید نے کوئی کتاب یا رسالہ یا آرٹیکل ایسا نہیں لکھا جس سے شیعوں پر اعتراض کرنا یا ان کے اعتراض کا جواب دینا مقصود ہو۔"

بعد میں جب سرسید نے مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کا بیڑہ اٹھایا تو ان کے خیالات میں اتنی تبدیلی آگئی تھی کہ ان مباحث کو چھیڑنا مسلمانوں کی کوئی خدمت نہیں ہے بلکہ ان کی ترقی میں مانع ہے۔

سرسید کے یہ رسائل تو ان کے ابتدائی دور کی تالیفات ہیں لیکن ان کے فکر و عمل پر ولی اللٰہی مکتبہ فکر کے اثرات آخر تک رہے۔ وہ اپنی علمی مذہبی زندگی میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے جس درجہ متاثر تھے وہ معلوم و مشہور ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی فقہی حیثیت کے بارے میں ان کی رائے ٹھیک وہی تھی جس کا اظہار حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اسارت مالٹا کے زمانے میں مسٹر برن سے ایک ملاقات میں کیا تھا، حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ

"اس لحاظ سے ہندوستان دارالحرب ہے کہ یہاں کافروں کی حکومت ہے، اور وہ اتنے بااختیار ہیں کہ جو حکم چاہیں جاری کرسکتے ہیں۔ اور اس وجہ سے بعض علماء اسے دارالحرب کہنے سے احتراز کرتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کو احکام اسلامی ادا کرنے اور شعائر اسلامی کی پابندی کرنے کی پوری آزادی ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت شیخ الہند کے خیالات کا یہ حاصل ہے جو آپ نے مسٹر برن سے گفتگو میں ظاہر کیے تھے۔ اس مسئلے میں سرسید کا نقطۂ نظر بھی یہی تھا۔ غرض کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرسید احمد خاں ولی اللہی تھے۔ ہم اس بحث کو مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمۃ کی رائے پر ختم کرتے ہیں۔ مولانا سندھی مرحوم کی رائے اس معاملے میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں :-

"سرسید احمد خاں استاذ اساتذہ الہند مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے اور مولانا مملوک علی نے شیخ رشید الدین سے علم حاصل کیا تھا۔ اور وہ شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے آپ نے شاہ صاحب سے طریقہ تحریر سیکھا تھا اور اس میں کمال حاصل کیا تھا۔ نیز شاہ عبدالقادر اور مولانا عبدالحی سے بھی پڑھا لیکن آپ بیشتر شاہ رفیع الدین کی خدمت میں رہے۔ غرض سید احمد دہلوی جو علیگڑھ دارالعلوم کے بانی ہیں، ولی اللہی ہیں"

لیکن جہاں اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ سرسید ولی اللہی تھے اس طرح یہ بات بھی شک سے بالا ہے کہ انھیں ولی اللہی مکتبہ فکر کو موقتہ قیادت سے اختلاف تھا۔ یہ اختلاف ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا۔

مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"۱۸۵۷ء میں اس جماعت کی مرکزی قیادت میں سلطان دہلی کی طرف داری اور غیر جانبداری کی بنار پر ایک اختلاف رونما ہوا اور یہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ بعد میں اس جماعت کے دہلی کے ایک مرکز کے بجائے دیوبند اور علیگڑھ دو مرکز بن گئے۔ مولانا محمد قاسم دہلی کالج (جو مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کے ہجرت کر جانے کے بعد ولی اللہی تحریک کا مرکز تھا اس کے رہنما مولوی مملوک علی تھے جو اس میں شعبۂ عربی کے رئیس تھے) کے عربی حصے کو دیوبند لے گئے۔ اور سرسید احمد خاں نے دہلی کالج کے انگریزی حصے کو علیگڑھ پہنچا دیا۔ کالج پارٹی انگریزی حکومت کے ساتھ پورا اشتراک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیے بغیر اپنا کام شروع نہیں کرسکتی تھی اس لیے اس نے گورنمنٹ کی وفاداری کو اپنی سیاسی مصلحت کا جزو بنالیا۔ مگر دیوبندی جماعت اضطراری حالات کے سوا حکومت کی کامل وفاداری کا اعلان نہ کرسکتی تھی اس لیے غیر جانبداری کو اپنا مسلک بنالیا۔"

اسی حقیقت کی طرف انھوں نے اپنے ایک اور مقالے میں ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے :-

"(۱۸۵۷ء میں) دہلی کے مفتوح ہونے پر یہ تحریک منتشر ہوکر دو حصوں میں بٹ گئی تھی :-

۱۔ علی گڑھ پارٹی کوآپریٹیو، سرسید اس کے لیڈر تھے۔

۲۔ دیوبند پارٹی نان کوآپریٹیو، مولانا محمد قاسم اور پھر مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندی اس کے حامل تھے۔"

سرسید اس اختلاف میں اکیلے نہ تھے جس طرح مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ساتھ ولی اللّٰہی مکتب فکر کی ایک جماعت تھی، اس طرح سرسید نے اپنا جو مسلک اختیار کیا تھا اس کی بنیاد ولی اللّٰہی فکر سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کے خیالات و افکار پر تھی۔

۱۸۵۷ء میں یہ سوال پیدا ہوگیا تھا کہ اب مغلیہ حکومت کو بچایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اور اس کی کوشش کی جانی چاہیے یا نہیں۔ چونکہ انگریز حکومت پر پوری طرح مسلط تھے انھیں کا انتظام تھا، انھیں کا حکم تھا اور یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرلی گئی تھی کہ ملک کی اصل قوتِ حاکمہ بادشاہ نہیں انگریز ہیں، اس لیے یہ سوال خود بخود پیدا ہوگیا تھا کہ ہندوستان اب دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ حضرت شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ اس باب میں مشہور ہے، ان کے نزدیک ہندوستان دارالحرب تھا، لیکن علماء کا اختلاف بھی معلوم تھا۔ حضرت شیخ الہند نے مسٹر برن سے اپنی گفتگو میں اس اختلاف کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ دونوں فریقوں کا برسرِ صواب ہونا بھی تسلیم کیا ہے۔ اس مسئلے کے ساتھ ہی یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز مذہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقطۂ نظر کے علاوہ سیاسی لحاظ سے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اس مقام پر اس وقت ۲ دو گروہ پیدا ہو گئے:-

۱ــــ پہلے گروہ کے رہنما ولی اللہی مکتبۂ فکر کے باقیات الصالحات تھے، ملک کے عام باشندے اسی گروہ کے ساتھ تھے، انھوں نے جہادِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی جانوں کی بازی لگاکر تحریکِ آزادی کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔

۲ــــ دوسرا گروہ انگریزوں کے خلاف جہاد کو جائز نہ سمجھتا تھا۔ آج ان کے دلائل کو خواہ تسلیم نہ کیا جائے لیکن ان کے خلوص کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس گروہ کے رہنما بھی خانوادۂ ولی اللہی کے مستفیضین میں سے تھے۔

دوسرے گروہ کے ایک بزرگ مولوی محبوب علی تھے جو سید احمد شہید بریلویؒ کے مُرید تھے، جہاد میں حصہ لینے کے لیے انھوں نے صوبہ سرحد کو ہجرت بھی کی تھی لیکن مجاہدانہ زندگی کے شدائد اور غربت کے مصائب کے متحمل نہ ہو سکے؛ اس لیے دہلی واپس چلے آئے اور تحریکِ جہاد کے خلاف انھوں نے ایک فتنہ پیدا کر دیا۔ جو شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب کی مداخلت سے فرو ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے سے ان بزرگ نے صاف انکار کر دیا تھا اور جب انگریزوں نے انھیں انعام میں جاگیر دینی چاہی تو اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ انگریزوں کی خوشنودی کے لیے نہیں کیا بلکہ میرے نزدیک اسلام کا حکم اسی طرح تھا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں شیخ محمد تھانوی پیرو مرشد مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے بھی معلوم ہے۔ وہ اس کے حق میں ہرگز نہیں تھے۔ ان بزرگوں نے بلا واسطہ اور بالواسطہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں سے استفادہ کیا تھا۔

انگریزوں سے تعاون کے سلسلے میں سرسید کی پالیسی درحقیقت انھیں بزرگوں کی رہنمائی پر مبنی تھی، اس لیے ولی اللہی مکتبۂ فکر کی موقتہ قیادت سے سرسید کے اختلاف کی بناء پر ان کے ولی اللہی ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فہرست مضامین تذکرہ خانوادہ ولی اللّٰہی

حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید

حضرت مولانا محمد مخصوص اللہ

حضرت شاہ عبدالعزیز کے داماد

حضرت مولانا عبدالحی

حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب

اصحاب ثلاثہ کے شاگرد

حضرت مولانا شاہ غلام علی

مولانا شاہ ابوسعید

مولانا شاہ احمد سعید

مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا شاہ عبدالغنی

مولوی عبدالخالق

مولانا رشید الدین

مولوی امان علی

مولوی صدرالدین آزردہ

مولوی محبوب علی

حکیم غلام حیدر خان

حضرت سید احمد شہید بریلوی

حکیم مومن خان مومن

مولوی مملوک علی

اخون شیر محمد

مولانا شاہ محمد اسحاق کے شاگرد

مولوی نصیرالدین شافعی

مولانا نواب قطب الدین خان

مولوی نوازش علی

مولوی حاجی محمد

مولوی کرامت علی

مولوی نذیر حسین دہلوی

مولوی محمد رستم علی

مولوی محمد مظہر نانوتوی

مولوی نورالحسن کاندھلوی

مولوی مملوک علی کے شاگرد

مولانا محمد قاسم نانوتوی

مولوی سمیع اللہ خان

مفتی صدرالدین کے شاگرد

ملا سرفراز

© rasailojaraid.com